www.KitaboSunnat.com

قاری رشید اَحمد تھانوی

مشکلات القراءات

اہل علم کے ہاں مشکل القرآن، مشکل الحدیث اور مشکل الاثار وغیرہ کے عنوان پر لکھی جانے والی کتب غیر معروف نہیں۔ ان کتب کے لکھنے کا پس منظر یہ ہے کہ قرآن وسنت چونکہ انسانوں کیلئے اللہ کی ابدی ہدایت پر مشتمل ہیں اور ان کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات اعلیٰ صفات ہے چنانچہ ان کی نسبت سے اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا: ﴿ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴾ [النسآء: ۸۲]

علم القراءات کی نسبت بھی چونکہ قرآن کریم سے ہے یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے ہاں جس طرح قرآن کی کسی آیت کا تعارض دوسری آیت سے ممکن نہیں اسی طرح قراءاتِ متنوعہ متواترہ بھی باہم متعارض نہیں ہوتیں۔ مختلف قراءات کا باہمی اختلاف تنوع کے قبیل سے تعلق رکھتا ہے جس سے معانی کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

زیرِ نظر مضمون میں فاضل مقالہ نگار نے مشکل القراءات یا بالفاظِ دیگر مختلف القراءات کو موضوعِ بحث بنایا ہے اور بظاہر متعارض نظر آنے والی قراءات کے حل کا طریقہ متعین کرتے ہوئے اس سلسلہ میں منکرین ومعترضین قراءات کی طرف سے عمومی طور پر پیش کی جانے والی متعارض قراءات کا بھی مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔ [ادارہ]

اصول فقہ کی بحثوں میں شرعی دلیلوں کے درمیان تعارض کا مطلب یہ ہے کہ کسی خاص مسئلہ میں ایک دلیل کسی حکم کی متقاضی ہو، اور اسی مسئلہ کے بارے میں دوسری دلیل شرعی دوسرا حکم چاہتی ہو۔ یعنی شرعی اَحکام میں تعارض سے مراد یہ ہے کہ کسی خاص مسئلہ میں ایک شرعی دلیل جس حکم کی متقاضی ہو، کوئی دوسری شرعی دلیل اس کے خلاف دوسرے حکم کا تقاضا کرتی ہو۔ یا کسی حکم کے دلائل میں اس طرح عدم مطابقت ہونا کہ جو امر ایک دلیل سے ثابت ہو وہ دوسری دلیل سے ثابت نہ ہوتا ہو۔ علماء نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

"التعارض أن يقتضي كل من الدليلين عدم ما يقتضيه الآخر"[أصول الفقه: ۳۵۸]

"تقابل الدليلين على سبيل الممانعة."

[إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول: ۲۵۸/۲]

ان تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ شرعی اَحکام میں تعارض سے مراد یہ ہے کہ کسی خاص مسئلہ میں ایک شرعی دلیل جس حکم کی متقاضی ہو، کوئی دوسری شرعی دلیل اس کے خلاف دوسرے حکم کا تقاضا کرتی ہو یا یوں کہیے کہ دلائل سے حاصل ہونے والے احکام کا ایک دوسرے کے خلاف اس طور پر ہونا کہ ایک پر عمل کرنے سے دوسرے کا چھوڑنا لازمی ہو۔ بعض معاصر علماء تعارض کی تعریف اِن الفاظ میں کرتے ہیں:

☆ اُستاذ القراءات، دار العلوم الاسلامیہ، کامران بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"والتعارض بين الدليلين الشرعيين معناه في اصطلاح الأصوليين: اقتضاء كل واحد منهما في وقت واحد حكماً في الواقعة يخالف ما يقتضيه الدليل الآخر فيها مثلاً: قوله تعالى: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً﴾ [البقرة:۲۳۴]، هذا النص يقتضي بعمومه، أن كل من توفي عنها زوجها تنقضي عدتها بأربعة أشهر وعشرة أيام، سواء أكانت حاملاً أم غير حامل.

وقوله تعالى: ﴿وَأُوْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [الطلاق:۴]، هذا النص يقتضي بعمومه أن كل حامل تنقضي عدتها بوضع حملها، سواء كانت متوفى عنها زوجها أم مطلقة فمن توفي عنها زوجها وهي حامل، واقعة يقتضي النص الأول أن تنقضي عدتها بتربص أربعة أشهر و عشرة أيام، ويقتضي النص الثاني أن تنقضي عدتها بوضع حملها، فالنصان متعارضان في هذه الواقعة" [أصول الفقه: ۴۰۸]

پہلی آیت بتلاتی ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہوجائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اس میں حاملہ وغیر حاملہ عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔لیکن دوسری آیت بتلاتی ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جائے اور وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے۔یعنی بچہ کی پیدائش ہوتے ہی اس کی عدت ختم ہوجائے گی۔

یہ تعارض دراَصل تعارض نہیں ہے کیوں کہ تعارض حقیقت میں تو محال ہے، لیکن مجتہدین کی رائے اور ان کی نظر کے اعتبار سے یہ محال نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ایک مجتہد ظاہر میں یہ سمجھے کہ کسی مسئلہ میں ایک دلیل دوسرے کے مخالف ہے، اور اس کا یہ سمجھنا اس کی کم فہمی، اِدراک کی کمزوری، اور مسئلہ کے تمام دلائل اور پہلوؤں سے ناواقفیت کے سبب سے ہو۔اس لئے یہ تعارض ظاہر میں ہوتا ہے، نہ کہ حقیقت میں۔ان معنی میں شرعی دلیلوں کے درمیان تعارض کا تصور فی الواقع کیا ہی نہیں جاسکتا۔کیونکہ شریعت میں دلیلیں اَحکام کو بتانے کے لئے قائم کی گئی ہیں۔اور اسی وجہ سے ان کے مقتضی پر عمل ممکن ہے، اور تکلیف کی شرط پوری ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ جب تک مکلّف عاقل بالغ ہو اس کے لئے شرعی احکام کا جاننا ممکن ہے۔اس صورت میں یہ بات محال ہے کہ دلائل ایک دوسرے کے مخالف ہوں، اور ان کا مقصود ہی مبہم اور غیر واضح ہوجائے۔ کیونکہ تعارض کا مطلب دلائل کا ایک دوسرے کے مخالف ہونا، ان سے جاہل رکھنا، مقصود مبہم رکھنا، شرط تکلیف کا فوت ہونا۔اسلامی شریعت میں یہ سب اُمور جائز نہیں ہوسکتے۔اللہ تعالیٰ جو شارع حکیم ہے اس کے لئے شریعت میں ایسے دلائل مقرر کرنا محال ہے۔[أصول الفقه الإسلامي: ۲/۱۱۷۴]

- امام سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اعلم بأن الحجج الشرعية من الكتاب والسنة لا يقع بينهما التعارض والتناقض وضعا لأن ذلك من أمارات العجز والله تعالى عن أن يوصف به وإنما يقع التعارض لجهلنا بالتاريخ فإنه يتعذر به علينا التمييز بين الناسخ والمنسوخ" [أصول السرخسي: ۲/۱۲]

''فرماتے ہیں کہ دلائل شرعیہ یعنی کتاب وسنت میں تعارض اور تناقض واقع نہیں ہوتا کیوں کہ یہ عاجزی کی علامات میں سے ہے اللہ تعالیٰ ان صفات سے منزہ اور پاک ہے۔اگر کہیں ایسا ہوتا ہے تو یہ ہماری کوتاہ فہمی یا ناسخ ومنسوخ سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔''

- ملا جیون لکھتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"وقد يقع التعارض بين الحجج فيما بيننا لجهلنا بالناسخ والمنسوخ وإلا فلا تعارض في نفس الأمر لأن أحدهما يكون منسوخا والآخر ناسخا وكيف يقع التعارض في كلامه تعالىٰ لأن ذٰلك من إمارات العجز ، تعالى الله عن ذٰلك علوا كبيراً"

[نور الأنوار في شرح المنار: ۱۹۳]

''اگر چہ حقیقی تعارض تو محال ہے لیکن ان دلائل کے بارے میں مجتہدین کے فہم و ادراک میں تفاوت کی بناء پر ظاہری تعارض ممکن ہے جسے دور کرنے اور متعارض دلائل میں سے کسی ایک کی ترجیح کے لئے علمائے اصول نے کچھ اصول وضوابط وضع کئے ہیں۔ان قواعد میں سے ایک یہ ہے کہ مجتہد کو ناسخ ومنسوخ کا علم ہونا چاہئے اور الفاظ کی دلالت کی ترجیح کے طریقوں سے واقف ہونا چاہئے۔''

تعارض رفع کرنے میں اَحناف اور شوافع کا طریقہ

ایک حنفی مجتہد تعارض رفع کرنے کے لئے بالترتیب مندرجہ ذیل مراحل طے کرتا ہے۔

① نسخ ② ترجیح ③ جمع اور تطبیق

④ دونوں دلائل سے صرف نظر اور ان سے کم تر درجے کی دلیل سے اِستدلال

ایک شافعی مجتہد دفع تعارض کے لئے حسب ترتیب مندرجہ ذیل مراحل سے گزرتا ہے:

① جمع وتطبیق ② ترجیح ③ نسخ

④ دونوں دلائل سے صرف نظر اور ان سے کم تر درجے کی دلیل سے اِستدلال

[أصول الفقه الإسلامي:۲/۱۱۷۶۔۱۱۸۴]

جمع اور تطبیق

اگر دو متعارض نصوص میں سے کسی کے بارے میں یہ معلوم کرنا مشکل ہو کہ کونسی نص ناسخ ہے، اور جو ترجیح کے طریقے ہم نے اُوپر ذکر کئے ہیں ان میں سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہ ہوتا ہو اور دونوں نصوص قوت میں یکساں ہوں، تو اس صورت میں مجتہد کو چاہئے کہ ان دونوں متعارض نصوص کے درمیان جمع ،تطبیق کے اصول کے ذریعے موافقت پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اس طرح دونوں نصوص پر عمل کرے۔ اِس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

◉ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرَ ِ الْوَصِيَّةُ لِلْوٰلِدَيْنِ وَ الْأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾ [البقرہ:۱۸۰]

''تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت کا وقت آ جائے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑ جانے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے دستور کے مطابق وصیّت کی جائے۔''

◉ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ أَوْلٰدِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَ إِنْ كَانَتْ وٰحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَ لِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ أَبَوٰهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهٗٓ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ءَابَآؤُكُمْ وَ أَبْنَآؤُكُمْ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَا تَدْرُوْنَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾ [النساء:۱۱]

''اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو اِرشاد فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔ اور اگر اولاد میت صرف لڑکیاں ہی ہوں یعنی دو یا دو سے زیادہ تو کل ترکے میں ان کا دو تہائی ہے۔ اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اس کا نصف ہے۔ اور میت کے ماں باپ کا یعنی دونوں میں سے ہر ایک کا ترکے میں چھٹا حصہ ہے۔ بشرطیکہ میت کے اَولاد ہو اور اگر اَولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو ایک تہائی ماں کا حصہ ہے۔ اور اگر میت کے بھائی بھی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہوگا اور یہ تقسیم ترکہ میت کی وصیت کی تعمیل کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض کے اَدا ہونے کے بعد جو اس کے ذمہ ہو عمل میں آئے گی تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں میں سے فائدے کے لحاظ سے کون تم سے زیادہ قریب ہے یہ حصے اللہ کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔''

◉ خلاف کہتے ہیں:

"قوله تعالى في سورة البقرة: ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرَا ِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ [البقرة:۱۸۰]. وقوله تعالى: ﴿ يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ﴾ [النساء :۱۱]، على آخر آية المواريث . الآية الأولى توجب على المورث إذا قارب الموت أن يوصى من تركته لوالديه وأقاربه بالمعروف، والآية الثانية توجب لكل واحد من الوالدين والأولاد والأقربين حقاً من التركة بوصية الله لا بوصية المورث فهما متعارضان ظاهراً ويمكن التوفيق بينهما بأن يراد في آية سورة البقرة الوالدان والأقربون الذين منع من إرثهم مانع كاختلاف الدين ." [علم أصول الفقه:۲۳۰۔۲۳۱]

پہلی آیت یہ بتلاتی ہے کہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے معروف طریقہ سے وصیت کرنا واجب ہے۔ دوسری آیت یہ بتلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین، اَولاد اور قریبی رشتہ داروں کے لئے میراث میں سے حصے مقرر فرما دیئے ہیں، اور مورث کے صوابدید پر نہیں چھوڑا۔ اس لئے یہ دونوں آیتیں متعارض ہیں۔ لیکن ان دونوں کے درمیان مطابقت اور موافقت پیدا کی جاسکتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلی آیت کو اس حکم پر محمول کیا جائے کہ والدین اور رشتہ دار کسی مانع کے سبب میراث میں سے حصہ نہ پاسکیں، مثلاً کسی کے والدین یا بعض رشتہ دار مسلمان نہ ہوں تو ان کے حق میں وصیت کرنا واجب ہے۔ اور دوسری آیت کو اس حکم پر محمول کیا جائے کہ اس آیت میں جن ورثاء کے حصے مقرر ہیں ان کو اس طرح دیدیئے جائیں۔

دوسری مثال ملاحظہ ہو:

"قوله تعالى: ﴿ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً ﴾ [البقرة:۲۳۴]

وقوله تعالى: ﴿ وَأُوْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ [الطلاق:۴]

ويمكن التوفيق بينهما بأن الحامل المتوفى عنها زوجها تعتد بأبعد الأجلين، فإن وضعت حملها قبل أربعة أشهر وعشرة أيام من تاريخ الوفاة، تربصت حتى تتم أربعة أشهر وعشرة أيام، وإن أمضت أربعة أشهر وعشرة أيام قبل أن تضع حملها تربصت حتى تضع حملها ." [أيضاً ص: ۲۳۱]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ دونوں مثالیں ڈاکٹر عبدالکریم الزیدان نے بھی نقل کی ہیں۔[الوجیز فی أصول الفقہ ۳۹۶،۳۹۷]

◉ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

﴿ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً ﴾[البقرہ:۲۳۴]

◉ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ وَأُوْلَتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ [الطلاق:۴]

کچھ فقہاء کی رائے یہ ہے کہ دوسری آیت نے پہلی آیت کو ایسی حاملہ عورت کی نسبت، جس کے خاوند کا اِنتقال ہوگیا ہو، منسوخ نہیں کیا۔ اس لئے ان فقہاء نے ان دونوں آیتوں کے درمیان تطبیق پیدا کی ہے۔ تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جس عورت کے خاوند کا انتقال ہوگیا ہو اور وہ حاملہ ہو تو وہ وضع حمل اور چار ماہ دس دن میں جو مدت زیادہ ہو اس عرصہ تک عدت گزارے۔ اگر یہ مدت گزر جائے اور اس کے ہاں بچہ پیدا نہ ہو تو وضع حمل تک عدت گزارے۔

جمع وتوفیق کے قاعدہ میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ دو نصوص میں سے ایک نص عام ہو اور دوسری خاص یا ایک مطلق ہو اور دوسری مقید، تو خاص سے عام کی تخصیص کریں گے۔ اور جو خاص جس چیز کے بارے میں وارد ہوئی ہے اس پر اسی حد تک عمل کریں گے، اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں میں عام پر عمل کریں گے۔ اسی طرح مطلق کو مقید پر محمول کریں گے یا مقید پر اپنے موقع پر عمل کریں گے۔[الوجيز في أصول الفقه: ۳۹۷]

”ومن طرق الجمع والتوفيق: اعتبار أحد النصين مخصصاً لعموم الآخر، أو مقيداً لإطلاقه، فيعمل بالخاص في موضعه وبالعام فيما عداه، ويعمل بالمقيد في موضعه وبالمطلق فيما عداه . “ [علم أصول الفقه: ۲۳۱]

توفیق کے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ دو نصوص میں سے ایک کی اس طرح تاویل کی جائے کہ وہ دوسری کی معارض نہ ہو۔ جیسے متاخرین علماء نے صفات سے متعلق بعض آیات کی تاویل کی ہے۔

فأما المخلص بطريق الحال فبيانه في قوله تعالى: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ ﴾ بالتخفيف في إحدى القراءتين وبالتشديد في الأخرى، فبينهما تعارض في الظاهر لأن حتى للغاية وبين امتداد الشيء إلى غاية وبين قصوره دونها منافاة، والإطّهار: هو الاغتسال، والطهر يكون بانقطاع الدم فبين امتداد حرمة القربان إلى الاغتسال وبين ثبوت حل القربان عند انقطاع الدم منافاة ولكن باعتبار الحال ينتفى هذا التعارض وهو أن بالتخفيف على حال ما إذا كان أيامها عشرة لأن الطهر بالانقطاع إنما يتيقن به في تلك الحالة فإن الحيض لا يكون أكثر من عشرة أيام فأما فيما دون العشرة لا يثبت الطهر بالانقطاع بيقين لتوهم أن يعاودها الدم ويكون ذلك حيضا فتمتد حرمة القربان إلى الإطّهار بالاغتسال .

وكذلك قوله تعالى: ﴿ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ﴾ فالتعارض يقع في الظاهر تحمل القراءة بالتشديد على حال ما إذا كان أيامها دون العشرة والقراءة بين القراءة بالنصب الذي يجعل الرجل عطفا على المغسول، والقراءة بالخفض الذي يجعل الرجل عطفا على الممسوح (ثم) تنتفي هذه المعارضة بأن تحمل القراءة بالخفض على حال ما إذا كان لابسا للخف بطريق أن الجلد الذي استتر به الرجل يجعل قائما مقام بشرة الرجل فإنما ذكر الرجل عبارة

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنه بهذا الطريق والقراءة بالنصب على حال ظهور القدم فإن الفرض في هذه الحالة غسل الرجلين عينا . [أصول السرخسي:۲/۲۰]

﴿ وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴾[البقرة:۲۲۲]

’’وہ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں،آپ کہہ دیجئے کہ وہ تکلیف ہے،الہٰذا حیض کے دوران تم عورتوں سے دور رہو،اور جب تک وہ پاک نہ ہوجائیں رغسل نہ کرلیں،ان کے قریب نہ جاؤ۔پھر جب وہ بالکل پاک ہوجائیں تو ان کے پاس اس طرح آؤ جس طرح اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے،بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔‘‘

آیت کا معنی ومفہوم

اس آیت میں حیض کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔یعنی دوران حیض بیوی سے صحبت جائز نہیں ہے۔البتہ جماع کے علاوہ ساتھ رہنا،کھانا،پینا وغیرہ جائز ہیں۔نیز یہ بھی بیان ہے کہ حائضہ عورت حیض سے کب پاک شمار ہوگی۔

اِختلاف قراءات

اس آیت میں کلمہ یطھرن میں دو قراءتیں ہیں:

❶ يَطَّهَّرْنَ	شعبہ،حمزہ،کسائی،خلف۔
❷ يَطْهُرْنَ	باقی سب قراء۔[مصحف القراءات العشر ، سورة البقرة:۲۲۲]

معنی قراءات

دونوں قراءتوں کا معنی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

◉ اِمام جصاص حنفی رحمہ اللہ (م ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:

”فنقول إنّ قوله: ﴿ يَطْهُرْنَ ﴾ إذا قُرئَ بالتّخفيف فهو مستعملٌ على حقيقتِهِ فيمن كانت أيامها عشرا . فيجوز للزوج استباحة وطئها بمضي العشر . وقوله ﴿ يطَّهَّرْنَ ﴾ بالتشديد وقوله: ﴿ فَإِذا تَطَهَّرنَ ﴾ مستعملا نِ في الغُسل إذا كا نت أيامها دون العشر .

[الجصاص ، أحكام القرآن: ۳۵۰/۱]

’’پس ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول ’يَطْهُرْنَ‘ جب مخفف پڑھا جائے تو وہ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے۔اس عورت کے حق میں جس کا خون دس دن پر بند ہوا ہو اس کے شوہر کے لئے دس دن گزرنے پر اس کے قریب جانا جائز ہوگا۔یعنی عورت کیلئے جماع سے پہلے غسل ضروری نہ ہوگا۔اور اللہ تعالیٰ کا قول ’یطَّھَّرن‘تشدید کے ساتھ اور اسی طرح ’فاذا تطھَّرن‘ غسل کے معنی میں استعمال ہوں گے،جب اس عورت کا خون دس دن سے کم پر بند ہوا ہو۔‘‘

مسئلہ کی دو صورتیں

پہلی صورت میں یہ عورت حیض سے پاک ہوگئی ہے،اور اس کا حکم اب حالت جنابت والا ہے۔یعنی وہ نماز کیلئے تو غسل کرے گی لیکن صحبت کیلئے غسل ضروری نہیں۔لیکن اگر دس دن سے کم پر خون بند ہوا ہو تو اس عورت کو صحبت سے

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبل غسل کرنا ضروری ہوگا۔اس میں دراصل امام جصاص رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ دونوں قراءتوں کو اپنے معنی حقیقی پر استعمال کیا جا سکتا ہے لہٰذا معنی حقیقی ہی مراد لیا جائے گا۔

چنانچہ آگے لکھتے ہیں:

”ولا یکو ن فیه استعمال واحد من الفعلین علی المجاز، بل هما مستملا ن علی الحقیقة في الحا لین“ [أیضا]

”اور اس میں دونوں فعلوں میں سے کسی ایک کا بھی مجازی معنی مراد نہیں ہوگا، بلکہ یہ دونوں اپنے حقیقی معنی میں دو مختلف حالتوں میں استعمال ہوں گے۔“

تطبیق کا اصول اور طریقہ

دو متعارض دلیلوں کو دو حالتوں پر محمول کرنا تطبیق کا ایک طریقہ ہے، چنانچہ اصول السرخسی میں ہے:

”فأما المخلص بطریق الحال، فبیانه في قوله تعالیٰ:﴿ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ﴾بالتخفیف في إحدی القراءتین وبالتشدید في الأ خری، فبینهما تعارضٌ في الظاهر، لأن حتّٰی للغایة وبین امتداد الشيء إلی غایةٍ وبین قصورهٖ دونَها منافاة...... ولکن باعتبار الحال ینتفي هٰذا التعارض.“ [أصول السرخسي: ۲/۱۳۔۱۹، نیز أصول الشاشي:۵۰]

یعنی طریق حال کے ذریعہ سے تعارض کو دور کیا جا سکتا ہے۔اس اصول کے پیش نظر اَحناف کا مذہب بالکل واضح ہے۔

چنانچہ ھدایہ میں ہے:

”اگر خون دس دن کے بعد منقطع ہو تو غسل سے پہلے بھی مباشرت جائز ہے، کیونکہ حیض دس دن سے زیادہ نہیں ہوا کرتا۔البتہ غسل سے پہلے مباشرت کرنا مستحب اور مستحسن امر نہیں۔ کیونکہ قراءۃ تشدید کے مطابق ممانعت موجود ہے۔ ﴿وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی يَطَّهَّرن﴾ جب تک کہ خوب پاک نہ ہو جائے، نظافت و پاکیزگی کا کمال غسل ہی ہے۔“

[الهدایة للمرغیناني: ۱/۵۰،۵۱]

◉ مولانا ظفر اَحمد عثمانی لکھتے ہیں:

”جمع الحنفیة بین القراءتین، وجعلهما کالآیتین...... ولما رأی سادتنا الحنفیة أن هٰهنا قراءتین...... واحتاجوا للجمع بجعل کل واحد منهما آیةً مستقلةً، فحملوا الأولیٰ علی الانقطاع بأکثر المدة، والثانیة لتمام العادة التي لیست أکثر مدة الحیض.“

[أحکا م القرآن: ۱/۴۱۴]

”حنفیہ نے دو قراءتوں کو جمع کیا ہے اور ان کو دو آیتوں کی طرح شمار کیا ہے۔اور جب ہمارے حنفی ائمہ نے دیکھا کہ اس مقام پر دو قراءتیں ہیں...اور وہ محتاج ہوئے اس بات کی طرف کہ دونوں قراءتوں کو مستقل آیت بنا کر جمع کیا جائے، تو انہوں نے پہلی قراءت کو اکثر مدت پر خون کے بند ہونے پر محمول کیا، اور دوسری قراءت کو اس عادت کے اِنقطاع پر محمول کیا جو اکثر مدت سے کم ہو۔“

لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں عورت کا جماع سے پہلے غسل کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ کتاب الأم میں ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"وأبان عزوجل أنها حائض وأمرَ أن لا تقرب حائضٌ حتّٰی تَطَهَّرَ ولا إذا طَهُرَتْ حتّٰی تتطهَّرَ بالماء" [كتاب الأم للشافعي: ۵۹/۱]

''اوراللہ تعالی نے واضح کردیا ہے کہ وہ عورت حائضہ ہے،اور یہ حکم دیا ہے کہ حائضہ سے جماع نہ کیا جائے، یہاں تک کہ وہ بالکل پاک نہ ہوجائے، نہ کہ اس وقت کہ جب اس کا صرف خون بند ہوجائے، یہاں تک کہ وہ غسل نہ کرلے۔''

نتیجہ قراءت یہ ہے کہ اس مقام پر دوقراءتوں کی بناپرفقہی اختلاف پیدا ہوا ہے۔احناف نے ان کودومختلف صورتوں پرمحمول کیا ہے،لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے دونوں قراءتوں کوایک ہی معنی پرمحمول کیا ہے۔

③ وضوء میں پیردھونے یا مسح کا مسئلہ

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ﴾ [المائده :٦]

''اے ایمان والو! جب تم نماز کا ارادہ کروتو اپنے چہروں اور ہاتھوں کودھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پیروں کودھولو۔''

اِختلاف قراءات

اس آیت میں کلمہ وأرجلکم میں دوقراءتیں ہیں:

❶ وَأَرْجُلَكُمْ 'نصب کے ساتھ' نافع۔ابن عامر،کسائی،یعقوب،حفص۔

❷ وَأَرْجُلِكُمْ 'جر کے ساتھ' ابن کثیر،ابوعمر،شعبہ،حمزہ،ابوجعفر،خلف [النشر لابن الجزري:۲۵۴/۲]

معنی قراءات

نصب والی قراءت پر اس آیت کا معنی بالکل واضح ہے۔ جر والی قراءت میں یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں أرجلِکم کا عطف کلمہ قرآنی برئوسکم پر ہوتو پیروں کا مسح مراد ہونا چاہیے۔ ائمہ اربعہ سمیت جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ جروالی قراءت سے بھی پیروں کا دھونا ہی مراد ہے، مسح مراد نہیں ہے۔

[كتاب الفقه على المذاهب الأربعة للجزيري: ۸۵/۱۔۱۰۳]

تاہم امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ ملتا ہے کہ جروالی قراءت سے مسح علی الخفین مراد ہے۔

[تفسير القرآن العظيم لابن كثير: ۲۴/۲۔۲۹]

صرف اہل تشیع نے جروالی قراءت سے پیروں کا مسح ثابت کیا ہے۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (م۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"ومن أوجب من الشيعة مسحهما كما يمسح الخفّ فقد ضل وأضل، وكذا من جوّز مسحهما وجوّز غسلهما فقد أخطأ." [ابن كثير: ۲۶/۲]

''اورشیعوں میں سے جنہوں نے پیروں کا مسح واجب کیا ہے، جیسے موزے پرمسح کیا جاتا ہے تووہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کوبھی گمراہ کیا اوراسی طرح جنہوں نے مسح اورغسل دونوں کو جائز رکھا انہوں نے بھی غلطی کی ہے۔''

البتہ اگر پیروں پرموزے پہنے ہوئے ہوں تو جروالی قراءت سے مسح علی الخفین مراد ہوسکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◉ امام ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"هي محمولة على مسح القدمين إذا كان عليهما الخفان قاله أبوعبد الله الشافعي." [ابن كثير، حواله مذكور]

''اور بعض لوگوں نے اس کو مسح علی القدمین پر محمول بتایا ہے بشرطیکہ پیروں پر موزے پہنے ہوئے ہوں، یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔''

◉ امام شافعی رحمہ اللہ (م۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

"ونحن نقرؤها وأرجلَكم على معنى: فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ" [كتاب الأم للشافعي: ۱/ ۲۷، نيز أحكام القرآن للشافعي: ۱/۴۴]

''ہم اس کو نصب کے ساتھ پڑھتے ہیں، اس معنی میں کہ تم اپنے چہروں، ہاتھوں، اور پیروں کو دھوؤ، اور سروں کا مسح کرو۔''

آگے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فاحتمل أمر الله تبارك وتعالىٰ بغسل القدمين: أن يكون على كل متوضئ، واحتمل أن يكون على بعض المتوضئين دون بعض. فدل مسح رسول الله ﷺ على الخفّين أنها على من الأخفين عليه إذا هو لبسهما على كمال طهارة." [الشافعي، حواله مذكور: ۱/۵۰]

اِمام شافعی رحمہ اللہ نصب والی قراءت کی صورت میں مسح علی الخفین کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا پیروں کو دھونے کا حکم دو احتمال رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ یہ حکم ہر وضو کرنے والے کیلئے ہو، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ بعض وضو کرنے والوں کے لئے غسل کا حکم ہو اور بعض کیلئے نہ ہو، پس رسول اللہ ﷺ کے خفین پر مسح کرنے سے یہ ثابت ہو گیا کہ مسح والا حکم اس آدمی کیلئے ہے، جس نے موزے پہن رکھے ہوں، بشرطیکہ ان کو کمال طہارت پر پہنا گیا ہو۔''

گویا امام شافعی رحمہ اللہ اس بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ اس آیت میں نصب والی قراءت میں پیروں کو دھونے کا حکم ہے، لیکن یہ حکم تمام وضو کرنے والوں کیلئے نہیں ہے لہٰذا مسح علی الخفین کتاب اللہ کے خلاف نہیں ہے۔

اِمام نسفی رحمہ اللہ (م۷۱۰ھ) نے جر والی قراءت کی ایک توجیہ یہ بھی کی ہے کہ پیروں کو دھوتے وقت پانی کا اسراف عام طور پر ہو جاتا ہے۔

لہٰذا اس کو ممسوح پر معطوف کیا گیا اس بات پر تنبیہ کرنے کیلئے کہ پیروں کو دھونے میں میانہ روی سے کام لیا جائے، اِسراف نہ کیا جائے۔ [مدارك التنزيل للنسفي: ۱/۴۳۰]

◉ مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ (م۱۴۲۱ھ) اَحکام القرآن میں لکھتے ہیں:

"فالدليل على أن المراد الغَسل دون المسح اتفاق الجميع على أنه إذا غسل فقد أدّى فرضَهٗ." [أحكام القرآن: ۱/۳۷۶]

''غسل مراد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص پیروں کو دھولے اس کا فرض اَدا ہو جائے گا۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں قراءتوں میں تطبیق کا طریقہ

◉ امام جصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" يجب استعمالهما على أعمهما حكماً وأكثرهما فائدة وهو الغَسل." [أحكام القرآن للجصاص: ۳۴۶/۲]

''یہ ضروی ہے کہ ان دونوں قراءتوں کو ایسے معنی پر محمول کیا جائے جو حکم کے اعتبار سے زیادہ عام ہو، اور اس میں فائدہ زیادہ ہو، اور وہ پیروں کا دھونا ہی ہے''۔

اسی طرح فتح الباری شرح بخاری میں ہے:

"بين القراءتين تعارض ظا هر والحكم فيما ظا هرهٗ تعارضٌ أنّه إن أمكن العمل بهما وجب، وإلا عُمِل بالقدر الممكن، ولا يتأتّى الجمع بين الغَسل والمسح في عضو واحدٍ في حالة واحدةٍ؛ لأنه يؤدّى إلى تكرار المسح لأن الغَسل يتضمّن المسح. والأمر المطلق لا يقتضي التّكرار، فبقي أن يعمل بهما في حالتين توفيقا بين القراءتين وعملا بالقدر الممكن." [فتح الباری لابن حجر: ۳۵۶/۱]

''دونوں قراءتوں میں ظاہری تعارض ہے، اور ظاہری تعارض والی چیز کا حکم یہ ہے کہ اگر دونوں پر عمل ممکن ہو تو یہ ہی واجب ہوگا، ورنہ بقدر امکان دونوں پر عمل کیا جائے گا۔ اور یہاں ایک عضو میں 'غسل' اور 'مسح' کو ایک ہی حالت میں جمع نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس سے مسح کا تکرار لازم آتا ہے اس لئے کہ 'غسل' 'مسح' کو بھی شامل ہوتا ہے، جبکہ امر مطلق تکرار کا تقاضا نہیں کرتا؛ لہٰذا یہ ہی صورت باقی رہی کہ دونوں قراءتوں پر دو (مختلف) حالتوں میں عمل کیا جائے تا کہ دونوں قراءتوں میں موافقت ہو اور بقدر امکان عمل بھی ہو جائے۔''

◉ اصول الشاشی میں ہے:

"ومنها أن النص إذا قرئ بقراءتين أو رُوِيَ بروايتين، كان العملُ به على وجه يكون عملًا بالوجهين. أولى، مثاله: في قوله تعالىٰ: ﴿ وَأَرْجُلَكُمْ ﴾ قرئ بالنصب عطفا على المغسول، وبالخفض عطفا على الممسوح. فحملت قراءة الخفض على حالة التخفّف، وقراءة النّصب على حالة عدم التخفّف. وباعتبار هذا المعنى قال البعض: جواز المسح ثبت بالكتاب." [أصول الشاشي: ۵۰]

یعنی نصوص کی مراد معلوم کرنے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی آیت دو قراءتوں سے پڑھی جائے یا کسی حدیث میں دو روایتیں ہوں، تو اگر اس طرح عمل کیا جائے کہ دونوں وجہ کے مطابق عمل ہو سکے تو یہ بہتر ہے۔ مثلا: قرآن شریف میں وامسحوا برء و سکم وأرجلکم دو طرح پڑھا گیا ہے۔ وارجلکم کو لام کے زیر سے پڑھا جائے تو مغسول پر عطف ہوگا اور لام کی زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو ممسوح پر عطف ہوگا۔ پس حمل کیا قراءت کسرہ کو موزہ پہننے کی صورت پر اور قراءۃ نصب کو جب کہ پاؤں میں موزہ نہ ہو اس پر۔ اسی بناء پر بعض مشائخ نے کہا ہے کہ موزہ پر مسح کرنا قرآن شریف سے ثابت ہے۔

نتیجہ قراءت

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک دونوں قراءتوں سے پیروں کو دھونے کا حکم ثابت ہوتا ہے اور جر والی قراءت

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اکثر مفسرین نے یہ توجیہ کی ہے کہ اس میں جر جواریعنی پڑوس اور قرب کی وجہ سے ہے۔

[مدارك التنزيل للنسفي: ۱/۴۳۰]

④ عورت کو چھونے سے وضوء ٹوٹنے کا مسئلہ

﴿ وَ إِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْجَآءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ أَيْدِيْكُمْ ﴾ [النسآء:۴۳]

''اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں، یا تم میں سے کوئی شخص جائے ضرورت سے آیا ہے، یا تم عورتوں کے پاس گئے پھر تمہیں پانی نہ ملے، تو پاک زمین کا ارادہ کرو پھر اپنے چہرے اور ہاتھوں کو ملو۔''

اختلاف قراءات

اس آیت میں کلمہ لمستم میں دو قراءتیں ہیں:

1. لَمَسْتُمْ امام نافع ابن کثیر مکی۔ابوعمرو بصری ابن عامر شامی، امام عاصم۔
2. لَمَسْتُمْ امام حمزہ، کسائی اور امام خلف۔[النشر لابن الجزری:۲/۲۵۰]

ایک قراءت مجرد سے ہے اور ایک قراءت باب مفاعلہ سے ہے، جو کہ جانبین سے ہوتا ہے۔

توجیہ قراءات

◉ امام ابن خالویہ رحمہ اللہ (م ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:

"فالحجة لمن أثبتها (أي الألف) أنه جعل الفعل للرجل والمرأة، ودليله: أن فعل الاثنين لم يأت عن فصحاء العرب إلا 'بفَاعَلتُ' وبالمفاعلة. وأوضح الأدلة على ذلك قولهم: جامعتُ المرأةَ، ولم يُسمع منهم جَمَعتُ. والحجةُ لن طرحَها: أنه جعلها فعلا للرّجل دون المرأة. ودليله قولة تعالىٰ: ﴿ إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ [الأحزاب: ۴۹] ولم يقل: ناكحتم" [الحجة لابن خالويه: ۶۲]

''جنہوں نے اس کو اثبات الف سے پڑھا ہے۔ان کے نزدیک یہ مرد وعورت کا فعل ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ فصیح عربوں کے ہاں دو افراد کا فعل باب مفاعلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اور اس پر واضح ترین دلیل عربوں کا قول 'جامعت المرأة' ہے۔اس صورت میں جَمَعتُ کسی سے نہیں سنا گیا۔اور جن لوگوں نے الف کو حذف کر کے پڑھا ہے، ان کے نزدیک یہ صرف مرد کا فعل ہے، عورت صدورِ فعل میں شامل نہیں۔اور اسکی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول: 'إذا نكحتم المؤمنات' [الأحزاب :۴۹] ہے۔اس آیت میں بھی فعل کی نسبت صرف مرد کی طرف کی گئی ہے، اور باب مفاعلہ سے تعبیر نہیں کیا گیا۔

لَمس کا مرادی معنی

اس آیت میں کلمہ لامستم کے مرادی معنی میں علماء کا اختلاف ہوا ہے۔لہٰذا عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔اَحناف کا مذہب یہ ہے کہ عورت کو چھونے سے بالکل وضوء نہیں ٹوٹتا۔جبکہ اِمام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ کہ عورت کو چھونے سے ہر حال میں وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب قریب قریب

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور وہ یہ کہ اگر شہوت کے ساتھ عورت کو چھوا جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا، اور اگر بغیر شہوت کے چھوا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔[أحكام القرآن: ۲۷۲/۲، كتاب الفقه على المذاهب الأربعة : ۱۳۳/۱، ۱۳۸]

چنانچہ تفسیر مظہری میں ہے:

''لگنے اور چھونے سے بطور کنایہ جماع مراد ہے ...اس صورت میں جنابت بمعنی اِنزال ہوگا بمعنی جماع نہ ہوگا۔ وگرنہ عطف صحیح نہیں ہوگا۔ اِمام اعظم کے مسلک پر آیت کا توضیحی مطلب اس طرح ہوگا کہ اگر تم جنبی ہو یا تم کو اِنزال ہوگیا ہو، بیماری کی حالت ہو یا سفر کی یا بول و براز وغیرہ سے تمہارا وضو ٹوٹ گیا ہو، یا بغیر اِنزال کے تم نے جماع کیا ہو تو تیمم کر سکتے ہو۔''[تفسیر مظہری: ۱۰۰/۳]

اِسی طرح کتاب الأم للشافعي میں ہے:

"وإذا أفضىٰ الرجل بيده إلى امرأته أو ببعض جسده إلى بعض جسدها لا حائلَ بينه وبينها، بشهوة أو بغير شهوة وجب عليه الوضوء ووجب عليها، وكذلك إن لمسته هي وجب عليه وعليها الوضوء" [كتاب الأم للشافعي: ۱۵/۱، ۱۶]

''اور جب کوئی آدمی اپنا ہاتھ اپنی بیوی کو لگا دے یا اپنے جسم کو اس کے جسم سے ایسے لگائے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو، شہوت کے ساتھ یا بغیر شہوت کے، تو دونوں پر وضو واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر عورت مرد کو چھوئے تو بھی دونوں پر وضو واجب ہوگیا۔''

معنی قراءات

◉ مولانا ظفر اَحمد عثمانی رحمہ اللہ (م ۱۳۹۴ھ) لکھتے ہیں:

"وأما قوله تعالى: ﴿أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ فأرجح التفسيرين له هو الجماع وهو مروي عن حبر الأمة بحر الملة سيدنا عبدالله ابن عباس ." [أعلاء السنن لظفر أحمد عثماني: ۱۱۰/۱]

اِس کی دلیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت کا تذکرہ کیا گیا ہے جس میں وہ فرماتی ہیں:

'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سویا کرتی تھیں اور میرے پاؤں قبلے کی طرف ہوتے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے، تو مجھے دبا دیتے تو میں اپنی ٹانگیں کھینچ لیتی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تو میں ان کو دوبارہ پھیلا لیتی۔''

[الجامع الصحيح للبخاري: ۵۶/۱]

گویا لمس سے مراد اگر ہاتھ سے چھونا ہوتا تو پھر تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ وضو فرماتے۔

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ قول منقول ہے:

"الملامسة ما دون الجماع بأن مسّ الرجل جسد امرأته بشهوة ففيه الوضوء ."

[أحكام القرآن للقرطبي: ۲۲۴/۵]

اس کے بارے میں مولانا ظفر اَحمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وقد اُختلف في الاحتجاج به ." [ظفر أحمد عثماني: حواله مذكور]

''اس کے حجت ہونے میں اختلاف ہے''۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز ایک روایت میں آتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''آپ ﷺ اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیتے پھر نماز پڑھتے اور وضو نہ کرتے۔'' [أیضاً: ۱/۱۰۹، نیز آثار السنن لمحمد بن علی النیموي: ۴۶]

اِس مذکورہ آیت کے کلمہ لمستم میں فقہاء احناف کے نزدیک دونوں قراءتوں سے جماع ہی مراد ہے۔ لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ دو قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہوتی ہیں۔اور یہاں ان دونوں قراءتوں کا معنی بھی مختلف ہے، لہٰذا ان دونوں معانی میں تطبیق ہونی چاہیئے۔

◉ امام جصاص رحمہ اللہ (م ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں۔

"إن حمله على الجماع يُفيد معنيين: أحدهما إباحة التيمم للجنب في حال عوز الماء، والآخر أنّ إلتقاء الختانين دون الإنزال يوجب الغسل. فكانَ حملُه على الجماع أولٰى من الاقتصار به على فائدة واحدةٍ وهو كون اللمس حدثا." [أحكام القرآن للجصاص: ۲/۳۷۲،۳۷۳]

''اس لفظ کو جماع کے معنی پر محمول کرنا دو معانی کا فائدہ دیتا ہے:

① جنبی کیلئے تیمّم کا جواز پانی نہ ملنے کی صورت میں۔

② اگر التقاء ختانین اِنزال کے بغیر ہو جائے تو اس سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔

لہٰذا اس کو جماع پر محمول کرنا ایک فائدے پر (جو کہ لمس عورت کا ناقض وضوء ہونا ہے) اکتفا کرنے سے بہتر ہے۔''

آگے امام جصاص رحمہ اللہ نے دونوں قراءتوں کا معنی اس طرح بیان کیا ہے کہ جو قراءت مفاعلہ سے ہے اس کا حقیقی معنی تو جماع ہی بنتا ہے۔البتہ مجرد والی قراءت دو معانی کا احتمال رکھتی ہے:

الف: لمس بالید (ہاتھ سے چھونا) **ب:** جماع (ہم بستری کرنا)

لہٰذا اس قراءت کو بھی مفاعلہ والی قراءت کے معنی پر محمول کیا جائے گا۔اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ان دونوں قراءتوں کو دو آیتوں کے طور پر دو الگ الگ معنی پر محمول کرنا چاہیے۔یعنی ایک قراءت سے جماع کا ناقض وضوء ہونا ثابت ہو جائے، اور دوسری قراءت سے لمس بالید کا ناقض وضوء ہونا ثابت ہو جائے۔اس کا جواب امام جصاص یوں دیتے ہیں:

''فقہاء کو یہ معلوم تھا کہ یہاں دو متواتر قراءتیں ہیں اس کے باوجود کسی نے بھی اس مقام پر اس کا اعتبار نہیں کیا۔ بلکہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ قراءت کوئی بھی ہو دو معانی میں سے ایک ہی مراد ہے۔'' [الجصاص: حوالہ مذکور]

کیونکہ تفسیر کا اصول ہے کہ متشابہ کو محکم کے اوپر محمول کیا جاتا ہے۔[أیضا]

نتیجہ قراءات

اس مقام پر دو قراءتیں ایک ہی معنی پر محمول ہونگی۔اور باب مفاعلہ والی قراءت کا معنی چونکہ متعین ہے اور مجرد والی قراءت کا معنی محتمل ہے۔لہٰذا باب مفاعلہ والی قراءت پر ہی حکم کا مدار ہوگا۔

⑥ مسجد حرام میں قتل وقتال کا مسئلہ

﴿ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴾

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

[البقرة:۱۹۱]

''اور تم مسجد حرام میں مشرکین سے قتال نہ کرو (یعنی حرم کے پاس) جب تک کہ وہ تم سے نہ لڑیں اس جگہ، پس اگر وہ لڑیں تو تم ان کو قتل کرو، یہ ہی نافرمانوں کی سزا ہے۔''

اختلاف قراءات

اس آیت میں صیغہ قتال چار دفعہ استعمال ہوا ہے جن میں سے پہلے تین میں دو دو قراءتیں ہیں:

1. باب مفاعلہ سے — حمزہ، کسائی، خلف کے علاوہ سب قراء
2. باب نصر مجرد سے — حمزہ، کسائی، خلف۔ [النشر لابن الجزری: ۲/۲۲۷]

معنی قراءات

صیغہ مجرد والی قراءت کے بارے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (م ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں:

اس تقدیر پر یہ الفاظ قتل سے ہونگے مقاتلہ سے نہ ہونگے اور معنی یہ ہونگے کہ مت قتل کرو بعض کفار کو جب تک وہ قتل کریں تم میں سے بعض کو۔ باقی قراء نے اول کے تین مقامات میں الف سے پڑھا ہے اور آخر میں الف کے بغیر پڑھا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا کہ بلد حرام میں قتال کی ابتداء کرنا حلال نہ تھی پھر اس آیت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے:

﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ [البقرة:۱۹۳]

''اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد''۔

آگے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک حق یہ ہے کہ اس آیت کا حکم باقی ہے منسوخ نہیں ہے۔ قتال کی ابتداء کرنا حرم میں اب بھی ویسے ہی حرام ہے۔ [تفسیر مظهری: ۱/۳۶۴]

اس قول کی تائید یہ حدیث کرتی ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے روز فرمایا کہ اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش کے دن با حرمت کیا ہے۔ اس لئے قیامت تک اللہ کا حرام کردہ حرام رہے گا۔ مجھ سے پہلے کسی کو اس میں قتل وقتال کی اجازت نہیں ہوئی اور میرے واسطے بھی دن کی ایک ساعت کے لئے صرف حلال ہوا ہے اس کے بعد بدستور قیامت تک حرام ہے یہاں کی گھاس، کانٹا وغیرہ نہ کاٹا جائے، نہ یہاں کا شکار بھگایا جائے۔'' [صحیح البخاری: ۱/۲۴۷]

- امام قرطبی رحمہ اللہ (م ۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:

"فإن قُرئ ولا تَقْتُلوهم فالمسألة نصٌّ، وإن قُرئ ولا تقاتلوهم فهو تنبيه؛ لأنه إذا نُهِيَ عن القتال الّذي هو سبب القتل كان دليلا بيّناً ظاهراً على النهي عن القتل.

[أحكام القرآن للقرطبي: ۲/۳۵۲]

یعنی اگر اس صیغہ کو مجرد سے پڑھا جائے تو پھر معنی بالکل واضح ہے۔ اور یہ معنی مندرجہ ذیل آیت کے بالکل موافق ہے: ﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ [آل عمران:۹۷]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوراگر اس صیغے کومفاعلہ سے پڑھا جائے تو پھر بقول امام قرطبی رحمہ اللہ یہ آیت اس بات کے اوپر تنبیہ ہے کہ مسجد حرام میں قتال ممنوع ہے، جو کہ قتل کا سبب بنتا ہے، تو قتل بطریق اَولی ممنوع ہوگا۔ چنانچہ اس بارے میں تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسجد حرام میں قتال ممنوع ہے لیکن اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ مسجد حرام میں حدود اور قصاص کی بنا پر قتل کرنا جائز ہے یا نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مسجد حرام میں قصاص لینا جائز ہے اور حد کے طور پر قتل کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ حرم میں حدود نافذ کرنا جائز نہیں ہے۔ اوران کا یہ مذہب مذکورہ آیت میں مجرد والی قراءت کے بالکل موافق ہے۔

[فتح القدير للشوكاني: ۱۹۱/۱]

یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اورامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب کو مذکورہ آیت کی دوسری قراءت سے تائید ملتی ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [البقرة:۱۹۱]

نتیجہ قراءات

اس آیت میں دو قراءتوں کی بناء پر حکم میں مزید وسعت پیدا ہوتی ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ وامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب کو سامنے رکھتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات نے جو رائے اختیار کی ہے اس میں اختلاف قراءت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

قراءات ثلاثہ سے متعلق وضاحت

ماہنامہ 'رشد' حصہ دوم میں ڈاکٹر صلاح الدین ثانی نے اپنے مضمون 'قراءت کی حجیت، اہمیت اور اُمت کا تعامل' میں قراءاتِ ثلاثہ کو شاذ قرار دیا ہے۔ یہ موقف اجماع اُمت کے خلاف ہے۔ اس ضمن میں صحیح موقف جاننے کیلئے مجلّہ ہذا میں مولانا محمد اسلم صدیق کے مضمون 'قراءاتِ شاذہ اور ثبوتِ قرآن کا ضابطہ' کی طرف رجوع کیا جائے۔ [ادارہ]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ